ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کا



منادیاً ینادی للایمان

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

محبوب الٰہیؒ سے ایمان اور امن کی نِدا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

ماھنامہ منادی

نئی دھلی

مدیر

خواجہ حسن ثانی نظامی

معاون مدیر

خواجہ سید مہدی نظامی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط وکتابت کرنے اور قیمت جمع کرنے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

سالانہ قیمت	پندرہ روپے
غیر ممالک سے	تین پونڈ
فی پرچہ	ایک روپیہ ۵۰ پیسے

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے۔ یہ انسٹھویں (59) جلد (۱۹۸۴ء) کا پہلا شمارہ ہے۔

فہرست

سرخ لکیر

عنوان کے نیچے ایک سرخ لکیر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی ادا کردہ منادی کی قیمت اس شمارے سے ختم ہو گئی اور دو لکیروں کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ شمارے سے ختم ہو جائے گی۔ جلد منی آرڈر کے ذریعہ قیمت بھیج کر ممنون فرمائیے یا وی پی کی اجازت دیجیے۔ وی پی میں آپ کے تین روپے پچیس پیسے زائد خرچ ہوں گے۔

(مینیجر)

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے جمال پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ سے شائع کیا

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ

کے سب سے چہیتے مرید

سلطان الشعراء ابوالحسن محمد کاسہ لیس حضرت امیر خسروؒ کے

چھ سو اناسی ۶۷۹ ویں سالانہ عرس

سترہویں شریف

کی تقریبات ۱۶ شوال ۱۴۰۴ھ سے انشاء اللہ شروع ہوں گی اور ۲۰ شوال تک جاری رہیں گی۔ خاص پروگرام کے تحت ۱۷ شوال کو صبح نو بجے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ شریف واقع شرق وشمال مقبرہ ہمایوں فاتحہ اور قوالی ہوگی۔ اسی دن بعد نماز عصر حضرت خواجہ حسن نظامی کے خواجہ ہال میں بزم مقالات اور اس کے بعد فاتحہ، نعت ومنقبت، مشاعرے اور قوالی کی محفل ہوگی۔ ۱۸ شوال کو صبح نو بجے حضرت امیر خسروؒ کے مزار کے سامنے حجرۂ قدیم میں فاتحہ اور قوالی۔ اور دن کو گیارہ بجے حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار شریف کے سامنے صحن درگاہ میں عرس شریف کا بڑا قُل ہوگا۔ اسی دن بعد نماز ظہر خواجہ ہال میں فاتحہ اور قوالی کی محفل ہوگی۔

عرس شریف کے دوران قرآن خوانی۔ پیش کش غلاف وعطر وگل، روشنی، طعام لنگر تعلیم وتلقین اور قوالی وغیرہ کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ باہر سے آنے والے زائرین سے گذارش ہے کہ اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے بھیج دیں تاکہ ان کے قیام وغیرہ کا انتظام کیا جاسکے۔ جو حضرات خود تشریف نہیں لاسکتے اور نیاز لنگر اور دیگر مراسم عرس میں حصہ لینے اور دعا کرانے کے خواہشمند ہوں۔ وہ بھی پہلے سے اطلاع دیں۔ منی آرڈر وغیرہ مندرجہ ذیل پتے پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

(خواجہ) حسن ثانی نظامی
حجرۂ قدیم۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
نئی دہلی ۱۳-۱۱

ٹیلی فون نمبر 619807

تار کا پتہ: خاجگان۔ نئی دہلی

عَیْنُ اللّٰہِ نَاظِرَۃٌ اِلَیْنَا

خدا کی آنکھ

ہم سب کی طرف دیکھ رہی ہے

(از حضرت خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی)

اے انسان مسلمان۔ یقین کر کہ خدا کے کان نہیں ہیں۔ مگر وہ سنتا ہے۔ خدا کے آنکھ نہیں۔ مگر وہ دیکھتا ہے۔ کیونکہ وہ خود تیرے کان سے سنتا اور تیری آنکھ سے دیکھتا اور تیری زبان سے بولتا ہے۔ جب تو کسی کی برائی اور غیبت سننے لگے تو یاد کر کہ خدا کسی کی برائی اور غیبت سننی پسند نہیں کرتا۔ پس تو بھی غیبت اور برائی نہ سُن۔ اور جب تو کسی ناجائز چیز کو دیکھنا چاہے تو خیال کر کہ تیری آنکھ خدا کی آنکھ ہے۔ اس لیے ناجائز چیز کو نہ دیکھ۔ اور جب تیری زبان پر بری بات آئے تو اس کو نہ بول کہ تیری زبان خدا کی زبان ہے۔

خدا کی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ مولوی ایک دوسرے کو زک دینے کے خفیہ مشورے کر رہے ہیں۔ اور خدا کی زبان کہہ رہی ہے کہ تو دوسروں کے لیے کنواں تیار کرتا ہے مگر اس کے اندر تو خود گر جائے گا۔ خدا کا کان سن رہا ہے کہ مولوی دوسروں کو حریف کہہ کر ان کو گراتے اور مٹانے کا حکم دے رہے ہیں۔ مگر وہ خود اپنے آپ کو گرا رہے ہیں اور مٹا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے یہی کہا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو یہی سمجھایا تھا اور حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو یہی ہدایت کی تھی۔ اور

حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے تمام دنیا کو یہی پیغام سنایا تھا کہ

خدا کی آنکھ ہم سب کو دیکھ رہی ہے

تم بھی اپنی آنکھ کو دیکھو کہ خدا تمہاری ہی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ تاکہ تمہاری آنکھ

برائی کو نہ دیکھے!

(اخبار عادل ۲۳ء۱۹)

فوائد الفواد

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ

از صاحب الفضل حضرت حسن علا سجزیؒ ——— ترجمہ: حسن ثانی نظامی دہلوی

صوفی کسی کا دشمن نہیں ہوتا

قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کی کہ کچھ لوگ کیا منبر اور کیا دوسری جگہ آپ کے بارے میں بدگوئی کے طور پر کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں۔ اور ہم سے یہ نہیں سنا جاتا۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کردیا۔ جو مجھے بُرا کہتا ہے میں اُسے معاف کرتا ہوں تمہیں بھی چاہیے کہ معاف کردو اور کسی سے دشمنی نہ رکھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ چھجو اندرپت میں رہا کرتا تھا۔ مجھے بُرا کہتا اور میرا بُرا چاہتا۔ بُرا کہنا تو پھر بھی کم ہے۔ بُرا چاہنا اس سے بھی خراب ہے۔ الغرض جب وہ مرگیا تو میں تیسرے روز اس کی قبر پر گیا اور دعا کی اور کہا کہ الٰہی اس نے میرے بارے میں جو کچھ بھی بُرا کہا اور بُرا چاہا۔ میں نے اس کو معاف کردیا۔ تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دیجیو۔

اسی ضمن میں فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو تو بات یوں بنتی ہے کہ ایک فریق اپنی طرف سے صفائی کرلے۔ جب یہ شخص اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرلے گا۔ تو لازمی طور پر دوسری طرف سے بھی آزار کم ہوگا۔

پھر ارشاد ہوا کہ لوگ اس بُرا کہنے سے رنجیدہ کیوں ہوجاتے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ صوفی کا مال سبیل ہے (یعنی جو چاہے اسے لے سکتا ہے) اور اس کا خون مباح ہے۔ جب حال یہ ہے تو کسی کے بُرا کہنے کی وجہ سے دشمنی کیوں رکھی جائے؟

برداشت کر لینے اور دشمنی سے بچنے کا ذکر آیا تو فرمایا کہ ایک نفس ہے اور ایک قلب۔ اگر کوئی نفس سے پیش آئے تو مقابل کو چاہیے کہ وہ قلب سے پیش آئے یعنی نفس میں تو دشمنی اور غوغا اور فتنہ ہے اور قلب میں سکون و رضا و ملاطفت۔ پس اگر کوئی نفس سے پیش آتا ہے اور دوسرا قلب سے جواب دیتا ہے تو نفس مغلوب ہوجاتا ہے۔ اور اگر نفس کا جواب نفس سے دیا جائے گا تو دشمنی اور فتنے کی کوئی حد نہ رہے گی۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ

تعلیم افکار اور شخصیت

(از پروفیسر خلیق احمد نظامی)

مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک جگہ لکھا ہے:

"نظام شمسی کی طرح نظام انسانی کے بھی مرکز و محور ہیں مگر تم کو ان کا حال نہیں معلوم۔ تم کو اجرام سماویہ کا مرکز معلوم کرتے میں جب ہزاروں برس لگ گئے تو نہیں معلوم عالم انسانیت کے نظام و مراکز کے کشف کے لیے کتنا زمانہ درکار ہوگا۔ تاہم یہ معلوم رہے کہ ہر عہد اور دور میں خدا کے چند بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجود ستاروں کے مرکز شمسی کی طرح انسانوں کا مرکز محبت اور کعبہ انجذاب ہوتا ہے، اور جس طرح نظام شمسی کا ہر متحرک ستارہ صرف اسی لیے ہے کہ کعبہ شمس کا طواف کرے۔ اسی طرح انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم بھی صرف اس لیے ہوتے ہیں کہ اس مرکز انسانیت اور کعبۂ ہدایت کا طواف کریں۔"

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ذات بلاشبہ ایک ایسا ہی مرکز انسانیت تھی جس کے گرد ستر سال سے زیادہ انسانوں کے گروہ اور آبادیوں کے ہجوم اپنی روحانی پیاس بجھانے اور اخلاق و انسانیت کا سبق سیکھنے کے لیے جمع ہوتے رہے۔ اور آج بھی امیر اور غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی، عورت اور مرد، ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سب ہی ان کے آستانۂ فیض پر اس روحانی تسکین کی تلاش میں حاضر ہوتے ہیں، جو اس دور مادیت میں قلب انسانی کی سب سے قیمتی کھوئی ہوئی متاع ہے۔ بابا صاحبؒ کی اس مقبولیت کا راز ان کی وہ تعلیم تھی جو زمان و مکاں کی پنہائیوں سے بے نیاز، ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی تھی۔ اور جس کی صدائے بازگشت صدیوں بعد گروگرنتھ صاحب میں بھی سنائی دیتی ہے۔ زمانہ روز و شب کی کتنی کروٹیں بدل چکا ہے، لیکن ان کی تعلیم کی معنویت اور افادیت آج بھی ویسی ہے جیسی ۷۰۰ سال پہلے تھی اور یہ اس لیے کہ انسان کی سیرت سازی کا کام جتنا اہم اس وقت تھا، اتنا ہی اہم آج بھی ہے۔ بقول امیر خسرو انسان بڑھتے جاتے ہیں اور انسانیت کم ہوتی جاتی ہے۔

بابا صاحبؒ کی جہد و سعی کے مرکز و محور دو تھے۔
(۱) انسان کا اس کے رب سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنا۔ اور (۲) انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت میں پرونا۔
ان کا خیال تھا کہ اس دنیائے آب و گل میں وہی انسان تخلیق کائنات کا راز پا سکتا ہے جو اللہ کے

لیے جینے کا سلیقہ پیدا کرے۔ ان کا بے چین دل رات کی خاموشیوں میں اپنے رب کو بے تابانہ یقین دلاتا تھا سہ

مقصود من خستہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

اللہ کے لیے جینا کہنے کو تو ایک مختصر سا جملہ ہے لیکن اس میں ایک جہان معنی پنہاں ہے۔ یہ فکر و نظر کا ایک ایسا انقلاب ہے جو انسان کے پیکر خاکی میں ایک نئی قوت ایک نیا عزم اور ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیتا ہے۔ وہ روزمرہ کی زندگی کے سب کام کرتا ہے لیکن اس کا مقصود و مطلوب کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ جب منشائے الٰہی کے سانچے میں انسان اپنی زندگی کو ڈھال لیتا ہے تو قرآن حکیم کی وہ وعید کہ رات اور دن انسان کے لیے مسخر کر دیے گئے ہیں، پوری ہو جاتی ہے۔ بابا صاحبؒ کہا کرتے تھے کہ "چالیس برس تک بندہ مسعود نے وہ کیا جو خدا نے چاہا۔ اب جو بندہ مسعود چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے" —— اللہ کے لیے جینے کا یہ ثمرہ انسانی زندگی کی معراج ہے جب انسان اس طرح جینے کا جگر پیدا کر لیتا ہے تو وہ کائنات کی سب سے گراں بہا متاع بن جاتا ہے اور اس کے ذریعہ بنی نوع انسان کی اصلاح و تربیت کا کام لیا جاتا ہے۔ ایسی ہی شخصیت کو اقبالؔ نے "بندہ مولا صفات" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

بابا صاحبؒ فرماتے تھے کہ معرفت الٰہی کی راہیں انسان دوستی کے کوچوں سے ہو کر گزرتی ہیں۔ جو شخص اللہ سے تعلق پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مخلوق سے محبت کرنا سیکھے۔ حضرت خواجہ معین چشتیؒ کا یہ قول کہ سب سے بڑی عبادت شکستہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے، ان کا مطمح نظر رہا۔ انھوں نے خواجہ اجمیریؒ کے اس اعلان کو ایک روحانی قوت میں منتقل کر دیا۔ وہ عملاً خواجہ صاحبؒ کے اس اعلان کی تفسیر تھے کہ انسان کو دریا کی سی سخاوت، آفتاب کی سی شفقت اور زمین کی سی تواضع پیدا کرنی چاہیے۔ دریا، سورج اور زمین۔ اللہ کی شان ربوبیت کے مظہر ہیں کہ ان کی فیاضیاں ہر انسان کے لیے بلا تخصیص مذہب و ملت، عام کر دی گئی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ اپنی زندگی میں ربوبیت کی ان صفات کی عکاسی کرے اور انسانیت کے رشتہ کو اور سب رشتوں سے افضل سمجھے۔

بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کے افکار و احساسات کی تربیت اسی اصول پر کی تھی اور ان کو دعا دی تھی کہ اللہ تعالٰی تجھے ایسا سایہ دار درخت بنائے جس کے سایہ میں خستہ جان انسانوں کو آسائش اور راحت ملے۔ یہ دعا حقیقت میں اس مقصد کی تکمیل کی دعا تھی جس پر بابا صاحبؒ نے اپنی زندگی کی ساری کوششیں مرکوز کر دی تھیں۔

انسان دوستی کا ایک تقاضا یہ تھا کہ انسانی سماج کو الخلق عیال اللہ سمجھتے ہوئے اتحاد، یک جہتی اور محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور مختلف طبائع اور متضاد فطرتوں کو ایک رشتۂ الفت میں پرو دیا جائے۔ بابا صاحبؒ کو کسی نے قینچی پیش کی تو فرمایا مجھے قینچی نہیں، سوئی دو، میں کاٹتا نہیں سیتا ہوں۔ یہ جملہ ان کی زندگی کے ان مقاصد کا ترجمان ہے جن کے سایہ میں انھوں نے انسانی قلوب کو رنج، نفرت، نفاق، دشمنی سے پاک کر کے اعلیٰ روحانی اور اخلاقی اقدار کی چاکری میں لگانا چاہا تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ بابا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک انسان اپنے دل کو کینہ اور غصہ سے خالی نہیں کرتا۔ وہ معرفت الٰہی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ انسان کو چاہیے کہ نفرت کا جواب محبت سے دے، اور برائی کے بدلے میں بھلائی کو اپنا شیوہ بنائے کہ اسی میں انسانی سماج کی فوز و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ گروگرنتھ

صاحب میں باباصاحبؒ کی یہ تعلیم اس طرح نشر کی گئی ہے۔

فریدا برے دا بھلا کر
غصہ من نہ ہنڈا ئے
دیہی روگ نہ لگ ای
پلے سب کچھ پائے

یعنی اے فرید، برائی کا بدلہ بھلائی سے دو اور اپنے دل میں کسی کی طرف سے غصہ کو جگہ نہ دو۔ اس طرح تمہارا جسم سب روگوں سے بچا رہے گا اور تم کو اپنا مقصود حاصل ہو جائے گا۔

باباصاحبؒ کی تعلیم کے جو خطوط فوائد الفواد، سیر الاولیاء، احسن الاقوال میں ملتے ہیں۔ اگر ان کو سامنے رکھ کر گرو گرنتھ صاحب کے ان اقوال سے مقابلہ کیا جائے جو باباصاحبؒ سے نقل کیے گئے ہیں اور جن میں انسان کی اصلاح و تربیت، زہد و عبادت اور جسم و جان کے تعلق سے بحث کی گئی ہے تو اندازہ ہوگا کہ باباصاحبؒ کے افکار کی تاثیر کس طرح حساس دلوں کی دھڑکنوں میں منتقل ہو گئی تھی۔

باباصاحبؒ کا جماعت خانہ ان اخلاقی اور روحانی قدروں کی بہترین عکاسی کرتا ہے جن کی انھوں نے مدت العمر پاسبانی کی تھی۔ اخوت، مساوات، یکجہتی اور اجتماعی کوششوں کو انھوں نے ایک نیا رخ دے دیا تھا۔ اس مٹی کے بنے ہوئے وسیع ہال میں بڑے بڑے عالم، حافظ اور عابد فرش زمین پر اپنی زندگی یاد خدا میں بسر کرتے تھے۔ کچھ لوگ جنگلوں سے کریل اور ڈیلا توڑ لاتے، کچھ کنووں سے پانی بھر لاتے۔ کچھ جنگل سے لکڑیاں چن کر جمع کر دیتے۔ بے نمک کی یہ خوراک جب پوری طرح میسر آجاتی تو بقول شیخ نظام الدین اولیاؒ یہ سب کے لیے عید کا دن ہوتا۔ محبت الٰہی سے سرشار یہ انسان عسرت اور تنگی میں اپنی زندگی گزارتے تھے لیکن غربت میں اس طرح خوش رہتے گویا دنیا جہاں کی سعادتیں اور نعمتیں ان کو حاصل ہیں۔ الفقر فخری کا جو سماں اس جماعت خانہ میں دیکھا گیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ یہاں بسنے والے لوگ بھی عجیب تھے۔ کرمان کا ایک متمول تاجر خاندان جب مادی زندگی کی آسائشوں سے گھبراتا ہے تو اس جماعت خانہ کے کچے در و دیوار اس کے دامن دل کو پکڑ لیتے ہیں۔ لکھنوتی میں جب حمید، طغرل کی ملازمت میں اپنی خودی کو مجروح ہوتے محسوس کرتا ہے تو اسی جماعت کا رخ کرتا ہے، مولانا بدرالدین اسحاقؒ جب دہلی کی علمی دنیا کی خودنگری سے گھبرا جاتے ہیں تو ان کو اسی جماعت خانہ میں خود شکنی کا سامان نظر آتا ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ عورتوں کو بھی یہاں عزت اور احترام سے رکھا جاتا تھا اور ان کی روحانی صلاحیتوں کے باباصاحبؒ بڑے مداح اور زبردست قدرداں تھے۔ بی بی رانی ایک مالدار باپ کی بیٹی تھیں۔ لیکن اپنے شوہر کے ساتھ یہاں رہتی تھیں اور جماعت خانہ کے رہنے والوں کے کپڑے دھو کر اسی طرح خوش ہوتی تھیں جیسے کوئی بہن اپنے بھائی کا کام کر کے خوش ہوتی ہے۔ باباصاحبؒ کا جماعت خانہ، آدھی رات گئے تک کھلا رہتا تھا اور خلقت کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

یہ جماعت خانہ اخلاقی زندگی کی ایک کارگیہ تھا جہاں افکار کی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر ہوتی تھی۔ چشتیہ سلسلہ کا یہ پہلا عظیم الشان مرکز تھا۔ جہاں روحانی اور اخلاقی تربیت کا کام نہایت اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا گیا۔ اور صوفیہ کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جس کی انتھک کوششوں نے پورے ملک میں خدا پرستی اور انسان دوستی کی لہر دوڑا دی۔

باباصاحبؒ سے تاریخ تصوف کے اس دور کی ابتدا ہوتی ہے۔ جب بقول شیخ نظام الدین اولیاؒ

تصوف کی تحریک کو عوامی تحریک بنا دیا گیا تھا۔ حسرت نامہ" میں برنی نے لکھا ہے کہ ایک دن بے شمار آدمیوں کو مرید کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مشائخ متقدمین تو اس طرح ہر کس و ناکس کو سلسلہ میں داخل نہیں کرتے تھے۔ حضرت محبوب الہیؒ کو اس خطرہ سے آگاہی ہوئی تو فرمایا کہ بابا صاحبؒ کے زمانہ سے بیعت و ارادت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں اور ہر شخص کو جو چاہتا ہے داخل سلسلہ کر لیا جاتا ہے یہی وجہ تھی کہ بابا صاحبؒ نے پنجابی زبان میں ذکر بتانا شروع کر دیا تھا اور پنجاب کے گوشہ گوشہ میں ان کی تعلیم اور نظریات پھیل گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بابا صاحبؒ نے چشتیہ سلسلہ کو فکر بھی دی اور نظام بھی۔ انھوں نے اپنے خلفاء کے لیے قرآن پاک، تمہیدات ابو شکور سالمی اور عوارف المعارف کو مرکزی اہمیت دی۔ ان کتابوں سے کس طرح وہ تعمیر شخصیت کا کام لیتے تھے اور علم عقل اور عشق کی کس طرح تربیت کرتے تھے اس کا تجزیہ افادہ سے خالی نہ ہوگا۔ ان کی دعائیں ان کی سیرت اور مقاصد زندگی کی بہترین آئینہ دار ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے وقت خوش، آب دیدہ اور راحت دل کی دعا مانگتے تھے۔ باطن کو ظاہر سے بہتر رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ خود اپنی زندگی کے مصائب پر کوہ تحمل اور دوسروں کی پریشانی پر تصویر غم بن جاتے تھے۔ انھوں نے انسان کو انسان کا احترام سکھایا۔ امید ہے کہ ان کی سیرت اور افکار کے ان پہلوؤں پر اس سمینار میں روشنی ڈالی جائے گی۔

(حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے سمینار کا خطبہ صدارت)
